برصغیر میں فکری انحراف اور تحریکِ قادیانیت کا کردار

ڈاکٹر غلام علی خان *

Every time a false prophet has arisen, the Muslims knew he was false because belief in the finality of Prophethood has been established as part of the Muslim's aqidah (tenets of faith). A fitna in India arose in the latter part of the 19th Century in the guise of the Qadiani heretical cult who claimed prophethood for their leader Mirza Ghulam Ahmad Qadian despite all the evidence against such a claim. What I would like to present are some clear proofs from the ulama of the past, ulama that predate the Qadiani fitna so no one can accuse them of being biased. What you will see is that it is quite clear, without a shadow of a doubt that finality of Prophet hood is something that is necessarily known as being part of the religion of Islam. Hence the rejection of this belief is Kufr and quite rightly the Qadianis have been declared as kafir by the leading ulama of this ummah then and now.

In the following article, Mirza Ghulam Ahmad Qadiani's claim of being the Mahdi and the Promised Messiah have been conclusively proven to be wrong, by bringing to light contradiction in his own argument from his books. The particular argument of Mirza Sahib which was claimed to be dazzling like the sun, and according to his followers made his opponents ran way from him like lambs run away from lion, has been proven wrong beyond doubt. Since the fallacy of these claims have been exposed, Mirza Sahib's claim of being a Nabi or a Prophet also automatically becomes bogus. A True Nabi cannot make false claim.

پس منظر

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد کے مظالم اور حالات نے مسلمانوں کو ہر لحاظ سے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ انگریز ہندوؤں اور سکھوں کی مدد اُنھیں مکمل اور مستقل طور پر کچل دینا چاہتا تھا کہ یہ دوبارہ اس کے خلاف سینہ سپر نہ ہوسکیں۔ انہیں سیاسی، معاشی اور معاشرتی حوالے سے بالکل نظر انداز کیا گیا جس سے مسلمانوں کا دماغ مفلوج ہو رہا تھا اور سخت تشنج کی سی کیفیت مِن حیث القوم ان پر طاری تھی۔ اُدھر عیسائی پادری لوگوں کو گمراہ کر

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور

ئے عیسائی یا ملحد بنانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر کامیابی حاصل کرتے چلے جا رہے تھے۔ مذہبی حلقہ (فرقِ اسلامیہ) کا آپس کا اختلاف تشویشناک صورت اختیار کر گیا تھا' باہم مذہبی مناظروں اور مجادلوں کا بازار گرم تھا جس کے نتیجہ میں اکثر زدوکوب' قتل وقتال اور عدالتی چارہ جوئیوں کی نوبت آتی اس صورتحال کو پیدا کرنے اور برقرار رکھنے میں بھی انگریز کا ہاتھ تھا لہٰذا ہندوستان میں ایک مذہبی خانہ جنگی سی برپا تھی اس صورتِ حال نے ذہنوں میں اِنتشار تعلقات میں کشیدگی اور طبیعتوں میں بیزاری پیدا کر دی تھی۔

پھر اس پر مستزاد یہ کہ خام صوفیوں اور جاہل پیروں نے طریقت وولایت کو بازیچۂ اطفال بنا رکھا تھا ان کے اثرات سے عوام میں اسرار ورموز' خوارق وکرامات اور غیبی اطلاعات خوابوں اور پیشن گوئیوں کے سننے کا غیر معمولی شوق پیدا ہو گیا تھا۔ جو شخص یہ جنس جتنی زیادہ پیش کرتا تھا اتنا ہی عوام میں مقبول ہوتا اور ان کی عقیدت واحترام کا مرکز بنتا۔ عیار درویشوں اور چالاک دین فروشوں نے عوام کی اس ذہنیت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ پنجاب ذہنی انتشار و بےچینی' ضعیف الاعتقادی اور دینی ناواقفیت کا خاص مرکز تھا۔ ہندوستان کا یہ علاقہ اسی (۸۰) برس تک مسلسل سکھ حکومت کے مصائب برداشت کر چکا تھا۔ ایک صدی سے کم کے اس عرصہ میں پنجاب کے مسلمانوں کے عقائد میں تزلزل اور دینی حمیت میں خاصا ضعف آ چکا تھا۔ اسلامی زندگی اور معاشرے کی بنیادیں متزلزل ہو چکی تھیں۔ اس صورتِ حال نے پنجاب کو ذہنی بغاوت اور ایک ایسی جدّت پسند تحریک و دعوت کے سرسبز و کامیاب ہونے کے لیے موزوں ترین میدان بنا دیا تھا۔ جس کی بنیاد تاویلات والہامات پر ہو۔

انیسویں صدی کا اختتام تھا کہ مرزا غلام احمد اپنی نئی دعوت وتحریک کے ساتھ منظرِ عام پر آیا اس کو اپنی دعوت اور اپنے حوصلوں اور بلند ارادوں کی تکمیل کے لیے مناسب زمانہ اور مناسب جگہ ملی۔ طبیعتوں کی عام بےچینی' عوام کی عجائب پرستی' معتدل ذرائع اصلاح وانقلاب سے مایوسی' علماء کے وقار واعتماد کا زوال وتنزل' مذہبی بحثوں کی گرم بازاری اور اس کے نتیجہ میں عامیانہ ذوقِ جستجو اور طبیعتوں کی آزادی' ہر چیز ان کے لیے معاون اور سازگار ثابت ہوئی دوسری طرف برصغیر کے مسلمانوں کی مجاہدانہ سرگرمیوں خاص کر سیّد احمد شہید کی تحریک جہاد' فرائضی تحریک وغیرہ کے نتیجہ میں مسلمانوں کے جذبہ جہاد کو ختم یا ٹھنڈا کرنے کے لیے انگریز نے نہ صرف سوچ وبچار بلکہ عملی اقدامات کرنا شروع کیے۔

ہنٹر رپورٹ

۱۸۶۹ء میں وائسرائے ہند لارڈ میو (Mayo) نے بنگال سول سروس کے ایک افسر ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر کو

اس اہم سوال کا جائزہ لے کر رپورٹ پیش کرنے کو کہا جس کا مفہوم یہ تھا کہ ''کیا ہندوستانی مسلمان اپنے مذہب کی رُو سے ہر میجسٹی ملکہ برطانیہ کی حکومت کے خلاف بغاوت کرنے کے پابند ہیں''۔

ہنٹر نے بڑی محنت سے ایک رپورٹ تیار کی اُس نے اسلام کے عقائد خصوصاً جہاد کے تصور مہدی' اور مسیح کی آمد کے بارے میں مختلف فرقوں کے معتقدات' ہندوستان کے دارالحرب ہونے کے مسائل اور اِس سلسلے میں علماء کے فتاویٰ' وہابی تحریک اسلامی فرقوں کے عقائد ونظریات اور ان کے برطانوی راج کے قیام کے لیے خطرات ومضمرات جیسے بہت سے مسئلوں کا جائزہ لیا۔

۱۸۷۱ء میں ہنٹر رپورٹ منظرِ عام پر آ گئی اس میں یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ مسلمان اِسے اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں کہ کافر حکومت کے خلاف جہاد کریں اور ملک کو ان سے نجات دلائیں۔ ہنٹر لکھتا ہے: ''جہاد ہی کا وہ نظریہ ہے جو ان کے شدید جوش' تعصب' تشدد اور قربانی کی خواہش کی بنیاد ہے۔ اس قسم کا عقیدہ انہیں ہمیشہ حکومت کے خلاف متحد کر سکتا ہے''۔ (۱)

اس رپورٹ کے نتیجہ میں انگریز چونک پڑا اور اُس نے مستقبل کے کسی امکان کے خدشات کے پیشِ نظر مسلمانوں کو سیاسی اور معاشی طور پر مفلوج کرنا شروع کر دیا۔

مشنری فادرز رپورٹ

انگریز نے مذہبی سطح پر ایک ایسی تحریک منظم کرنے کے متعلق جو ان کے سیاسی عزائم کی تکمیل میں مدد دے پورا پورا غور کیا۔ ۱۸۶۹ء میں انگلستان سے برطانوی مدبروں' اعلیٰ سیاست دانوں' ممبران پارلیمنٹ اور مسیحی رہنماؤں پر مشتمل ایک وفد ان اُمور کا جائزہ لینے کے لیے ہندوستان آیا کہ ۱۸۵۷ء کے ''غدر'' کے حقیقی محرکات کیا تھے' اس میں مسلمانوں نے کیا کردار ادا کیا۔

ہندوستان کے مذاہب خصوصاً اسلام کے اندر سے ایسی کون سی تحریک اٹھائی جائے' جو ان کی وحدت کو توڑ کر ان کو اتنا کمزور کر دے کہ وہ کسی اجتماعی تحریک میں حصہ نہ لے سکیں۔ اور اس طرح برطانوی حاکمیت کے لیے پیدا شدہ خطرات کا سدِ باب ہو سکے۔ وفد نے سول سروس کے افسروں خصوصاً یہودیوں سے ملاقاتیں کیں' انٹیلی جنس کی رپورٹیں ملاحظہ کیں اور سیاسی حالات کا تقابلی مطالعہ کیا۔ ایک سال بعد ۱۸۷۰ء میں لندن میں وفد کے اراکین نے ایک کانفرنس بلائی جس میں ہندوستان کے نمائندہ مشنریوں کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی۔ برطانوی کمیشن اور مشنریوں کی طرف سے ہندوستان میں مذہبی تخریب کاری کے پروگرام

کی دو الگ الگ رپورٹیں پیش ہوئیں جن کو یکجا کر کے ہندوستان میں برطانوی سلطنت کا دور (The Arrival of British Empire in India) کے نام سے شائع کر دیا گیا۔

اس کا ایک اقتباس درج کیا جاتا ہے جس میں انگریز نے اپنی سامراجی ضروریات کی تکمیل کے لیے ایک ایسی مذہبی نبوت کی ضرورت بیان کی ہے جو مسلمانوں میں سے اُٹھ کر ایسا دعویٰ کر دے اور اُن کی ہدایات پر کام کرے۔

"Majority of the population of the country blindly follow their "Peers" their spiritual leaders, If at this stage, we succed in finding out some who whould be ready to declare himself Zilli Nabi (apostolic prophet) then the large number of people shall rally round him. But for the this purpose, it is very difficult to persuade some one from the Muslim masses. If this problem is solved, the prophethood of such a person can flourish under the patronage of the government. We have already over powered the native governments mainly pursuing a policy of seeking help from traitors. That was a different stage, for at that time, the traitors were from the military joint of view. But now when we have sway over every neck of the country and there is peace and order every where we ought to under take measures, Which might create internal unrest among the country".

مرزا غلام احمد ایک موزوں انتخاب

مرزا صاحب سکھ حکومت کے آخری عہد ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں ضلع گورداسپور کے قصبہ قادیان میں پیدا ہوئے۔ خود ان کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے وقت وہ سولہ سترہ برس کے تھے۔ طب کی کتابیں اپنے والد صاحب سے پڑھیں جو ایک حاذق طبیب تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گھر ہی پر پائی۔ آپ کے والد نے سکھوں کے عہد میں چھن جانے والی جاگیروں کی بازیابی کے لیے مقدمات قائم کر رکھے تھے اور انگریز کے تعاون سے ان پر دوبارہ قابض ہونے کی فکر میں ۱۸۶۴ء میں آپ نے انگریز سے مل ملا کر آپ کو سیالکوٹ کی کچہری میں "اہل مد" کی ملازمت دِلوادی۔ اس دوران آپ نے یورپی مشنریوں اور بعض

انگریز افسران سے تعلقات پیدا کیے اور مذہبی مباحث کی آڑ میں باہمی میل جول کو بڑھایا۔ ۱۸۶۸ء کے قریب سیالکوٹ میں ایک عرب محمد صالح وارد ہوئے کہا جاتا ہے کہ ان کے پاس حرمین شریفین کے بعض علماء کا فتویٰ تھا جس میں ہندوستان کو دارالحرب ثابت کیا گیا تھا انگریز کے مخبروں نے انہیں اعتماد میں لے کر گرفتار کروا دیا اور دو الزامات لگائے گئے کہ ایمی گریشن ایکٹ کی خلاف ورزی اور برطانوی حکومت کے خلاف جاسوسی کرنا۔

سیالکوٹ کچہری کے یہودی ڈپٹی کمشنر پارکنسن (Parkinson) نے تفتیش شروع کی وہ ان تمام لوگوں کو گرفتار کرنا چاہتا تھا جن سے ان عرب شخص کے رابطے تھے دورانِ تفتیش ایک ایسے شخص کی ضرورت پڑی جو عربی کے مترجم کے طور پر کام کر سکے۔ یہ خدمت مرزا صاحب نے ادا کی اور عرب دشمن اور برطانیہ نوازی کی وہ مثال پیش کی کہ پارکنسن آپ کا گرویدہ ہو گیا۔ (۲)

ایک اور واقعہ جسے مرزا صاحب کی زندگی میں سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے وہ پادری بٹلر ایم اے کی لندن واپسی ہے۔ یہ پادری برطانوی انٹیلی جنس کا ایک رکن تھا اور مبلغ کے روپ میں کام کر رہا تھا۔ مرزا صاحب نے مذہبی مباحث کی آڑ میں ان سے طویل ملاقاتیں کیں اور برطانوی راج کے قیام کے لیے اپنی ہر قسم کی خدمات پیش کیں۔

۱۸۶۸ء میں بٹلر ولایت جانے سے پہلے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا' خفیہ بات چیت ہوئی اور معاملات کو حتمی صورت دی گئی۔

مرزا غلام احمد کے صاحبزادے مرزا محمود اپنی تصنیف ''سیرت مسیح موعود'' میں لکھتے ہیں۔ ''ریورنڈ بٹلر ایم اے جو سیالکوٹ مشن میں کام کرتے تھے اور جن سے حضرت صاحب کے بہت سے مباحثات ہوتے رہتے تھے۔ جب ولایت واپس جانے لگے تو خود کچہری میں آپ کے پاس ملنے کے لیے چلے آئے اور جب ڈپٹی کمشنر صاحب نے پوچھا کس طرح تشریف لائے' تو ریورنڈ مذکور نے کہا صرف مرزا صاحب کی ملاقات کے لیے۔ اور جہاں آپ بیٹھتے تھے وہیں سیدھے چلے گئے اور کچھ دیر بیٹھ کر واپس چلے گئے۔ (۳)

ایک خطبے میں مرزا محمود نے اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''اُس وقت پادریوں کا بہت رعب تھا لیکن جب سیالکوٹ کا انچارج مشنری ولایت جانے لگا تو حضرت صاحب کو ملنے کے لیے خود کچہری آیا' ڈپٹی کمشنر اُسے دیکھ کر اس کے استقبال کے لیے آیا اور دریافت کیا کہ آپ کس طرح تشریف لائے کوئی کام ہو ارشاد فرمائیں مگر اُس نے کہا میں صرف آپ کے اس

منشی سے ملنے آیا ہوں یہ ثبوت ہے اس امر کا کہ آپ کے مخالف بھی تسلیم کرتے تھے کہ یہ ایک ایسا جوہر ہے جو قابلِ قدر ہے۔ (۴)

اسی سال ۱۸۶۸ء میں مرزا صاحب بغیر کسی معقول ظاہری وجہ کے اہل مد کی نوکری سے استعفیٰ دے کر قادیان چلے گئے اور زمینداری اور مطالعہ مذہب میں ہمہ وقت مشغول ہو گئے۔

براہین احمدیہ اور لبادہ دفاع اسلام

۱۸۸۰ء کے بعد ان کی جو تصنیفات شائع ہوئیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے مطالعہ کا موضوع زیادہ تر کتب مذاہب اور خاص طور پر مسیحیت، سناتن دھرم اور آریہ سماج کی کتابیں تھیں۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی اس دور سے متعلق لکھتے ہیں کہ "یہ دور مذہبی مناظروں کا دور تھا اور اہل علم کے طبقہ میں سب سے بڑا ذوق، مقابلہ مذاہب اور مناظرۂ فرق کا پایا جاتا تھا۔ عیسائی پادری مذہب مسیحیت کی تبلیغ و دعوت اور دین اسلام کی تردید میں سرگرم تھے۔ حکومت وقت جس کا سرکاری مذہب مسیحیت تھا ان کی پشت پناہ اور سرپرست تھی۔ وہ ہندوستان کو یسوع مسیح علیہ السلام کا عطیہ اور انعام سمجھتی تھی۔ دوسری طرف آریہ سماجی مبلغ، جوش و خروش سے اسلام کی تردید کر رہے تھے۔ انگریزوں کی مصلحت (جو ۱۸۵۷ء کی متحدہ کوشش اور ہندوستان کے اتحاد کی چوٹ کھا چکے تھے) یہ تھی کہ ان مناظرانہ سرگرمیوں کی ہمت افزائی کی جائے اس لیے کہ ان کے نتیجہ میں ملک میں ایک کشمکش اور ذہنی و اخلاقی انتشار پیدا ہوتا تھا اور تمام مذاہب اور فرقوں کو ایسی طاقتور حکومت کا وجود غنیمت معلوم ہوتا تھا جو ان سب کی حفاظت کرے۔ اور جس کے سایہ میں یہ سب امن و امان کے ساتھ مناظرہ و مباحثہ کرتے رہیں۔ ایسے ماحول میں جو شخص اسلام کی مدافعت اور مذاہب غیر کی تردید کا علم بلند کرتا وہ مسلمانوں کا مرکزِ توجہ و عقیدت بن جاتا۔ (۵)

لہٰذا اس خاص ماحول اور فضا سے مرزا صاحب نے پورا پورا فائدہ اٹھانے کا منصوبہ تیار کیا اور قادیان پہنچ کر عیسائیوں اور ہندو آریاؤں سے مباحث کا آغاز کیا اور اخبارات میں مضامین لکھ کر اپنا تعارف کرانے لگے۔

مرزا صاحب نے ایک بہت ضخیم کتاب کی تصنیف کا بیڑہ اٹھایا۔ جس میں اسلام کی صداقت، قرآن کے اعجاز اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو بدلائل عقلی ثابت کیا جائے گا اور بیک وقت مسیحیت، سناتن دھرم، آریہ سماج اور برہمن سماج کی تردید ہو گی انہوں نے اس کتاب کا نام "براہین احمدیہ" تجویز کیا۔ اس

کتاب کے بارے میں بڑے بلند بانگ دعوے کیے گئے' لوگوں سے اسلام کی دیگر ادیان پر برتری ثابت کرنے کے لیے لٹریچر شائع کرنے کے نام پر چندے مانگے اور ان کی کثیر رقمیں ہضم کر گئے۔

براہین احمدیہ کی تصنیف ۱۸۷۹ء سے شروع ہوتی ہے مصنف نے ذمہ داری لی کہ وہ اس کتاب میں صداقت اسلام کی تین سو دلیلیں پیش کرے گا۔ بالآخر یہ کتاب جس کا لوگوں کو انتظار و اشتیاق تھا چار حصّوں میں (بڑے سائز کے پانچ سو باسٹھ صفحات) میں چھپ کر منظر عام پر آئی۔ مرزا صاحب نے اس کتاب کے ساتھ بڑی کثیر تعداد میں بزبان اُردو اور انگریزی اعلان کیا اور اس کو سلاطین' وزراء پادریوں اور پنڈتوں کے پاس بھیجا' جس میں پہلی بار یہ اظہار کیا گیا کہ وہ اسلام کی صداقت ظاہر کرنے کے لیے خدا کی طرف سے مامور ہیں اور تمام اہل مذاہب کو مطمئن کرنے کے لے تیار ہیں۔ اشتہار کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

''یہ عاجز (مولف براہین احمدیہ) حضرت قادر مطلق جل شانہٗ کی طرف سے مامور ہوا ہے کہ نبی ناصری اسرائیلی (مسیح) کے طرز پر کمال مسکینی وفروتنی وغربت وتذلل وتواضع سے اصلاح خلق کے لیے کوشش کرے اور ان لوگوں کو جو راہِ راست سے بے خبر ہیں۔ صراطِ مستقیم (جس پر چلنے سے حقیقی نجات حاصل ہوتی ہے اور اس عالم میں بہشتی زندگی کے آثار اور قبولیت اور محبوبیت کے انوار دکھائی دیتے ہیں) دکھا دے اسی غرض سے کتاب براہین احمدیہ تالیف پائی ہے جس کی ۳۷ جز وچھپ کر شائع ہو چکی ہیں۔ اور اس کا خلاصہ مطلب اشتہار ہمراہی خط ھذا میں درج ہے لیکن چونکہ ساری کتاب کا شائع ہونا ایک طویل مدت پر موقوف ہے اسی لیے یہ قرار پایا کہ بالفعل یہ خط مع اشتہار انگریزی شائع کیا جائے اور اس کی ایک کاپی بخدمت معزز پادری صاحبان پنجاب و ہندوستان و انگلستان وغیرہ بلاد جہاں تک ارسال خط ممکن ہو جو اپنی قوم میں خاص طور پر مشہور معزز ہیں۔ برہمو صاحبان و آریہ صاحبان و نیچری صاحبان و حضرات مولوی صاحبان جو وجود خوارق وکرامات سے منکر ہیں اور اس وجہ سے اس عاجز سے بدظن ہیں ارسال کی جاوے''۔(۶)

مرزا صاحب نے اپنی تصنیف کو بے مثال قرار دیا اور دیگر مذاہب کے لوگوں کو چیلنج کیا کہ وہ اس کے مقابلہ میں اسی تعداد میں یا کم تعداد میں دلائل پیش کریں۔ وہ براہین احمدیہ کے شروع میں لکھتے ہیں:

''میں جو مصنف اس کتاب براہین احمدیہ کا ہوں یہ اشتہار اپنی طرف سے بہ وعدہ دس ہزار روپیہ بمقابلہ جمیع ارباب مذہب اور ملت کے جو حقانیت قرآنِ مجید ونبوّت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے منکر ہیں اتماماً للحجت شائع کر کے اقرار صحیح قانونی اور عہد جائز شرعی کرتا ہوں کہ اگر کوئی صاحب منکرین میں سے مشارکت اپنی کتاب کی فرقانِ مجید سے ان سب براہین اور دلائل میں' جو ہم نے دربارہ حقیت فرقانِ مجید

اور صدقِ رسالت حضرت خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم اسی کتابِ مقدس سے اخذ کر کے تحریر کی ہیں۔ اپنی الہامی کتاب سے ثابت کر کے دکھلا دیں یا اگر تعداد میں ان کے برابر پیش نہ کر سکیں' تو نصف اُن سے یا ثلث ان سے یا ربع اُن سے یا خمس اُن سے نکال کر پیش کرے یا اگر بہ کلی پیش کرنے سے عاجز ہو تو ہمارے ہی دلائل کو نمبر وار توڑ دے' تو ان سب صورتوں میں بشرطیکہ تین منصف مقبولہ فریقین بالاتفاق یہ رائے ظاہر کر دیں کہ ایفاء شرط جیسا کہ چاہئیے تھا ظہور میں آ گیا' میں مشتہر ایسے مجیب کو بلا عذرے وحیلتے اپنی جائداد قیمتی دس ہزار روپیہ قبض ودخل دے دونگا۔(۷)

اس کتاب کی تالیف واشاعت کا سلسلہ ۱۸۸۰ء سے ۱۸۸۴ء تک جاری رہا' چوتھے حصہ پر یہ سلسلہ رک گیا۔ پانچواں حصہ جو کتاب کا آخری حصہ ہے آغاز تصنیف کے پورے پچیس سال بعد ۱۹۰۵ء میں شائع ہوا۔ مصنف نے معذرت کی کہ اسلام کی صداقت پر تین سو دلیلیں پیش کرنے کا ارادہ اب ترک رک دیا گیا ہے اور پچاس حصوں کی اشاعت کی بجائے اب پانچ پر اکتفا کیا جائے گا وہ لکھتے ہیں۔

''پہلے پچاس حصے لکھنے کا ارادہ تھا مگر پچاس سے پانچ پر اکتفا کیا گیا اور چونکہ پچاس اور پانچ کے عدد میں صرف ایک نقطہ کا فرق ہے اس لیے پانچ حصوں سے وہ وعدہ پورا ہو گیا۔(۸)

اصل میں مرزا صاحب نے اپنے کارنامے کو بڑھا چڑھا کر غلو سے کام لیتے ہوئے لوگوں کی توجہات کو اپنی طرف کرنے کے لیے تین سو دلائل اور پچاس حصوں پر مشتمل کتاب کا خالی خولی نعرہ لگایا تھا جس پر عملی طور پر ناکام رہے۔

مرزا بشیر احمد قادیانی کا یہ اقتباس اس سلسلہ میں قابل غور ہے وہ لکھتے ہیں۔'' اب جب براہین احمدیہ کی چار جلدیں شائع شدہ موجود ہیں ان کا مقدمہ اور حواشی وغیرہ سب دوران اشاعت کے زمانہ کے ہیں اور اس میں اصل ابتدائی تصنیف کا حصہ بہت ہی تھوڑا آیا ہے۔

یعنی صرف چند صفحات سے زیادہ نہیں اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ تین سو دلائل جو آپ نے لکھے تھے اس میں سے مطبوعہ براہین احمدیہ میں صرف ایک ہی دلیل بیان ہوئی ہے اور وہ بھی نامکمل طور پر۔(۹)

حالانکہ مرزا صاحب نے یہ اعلان کیا تھا کہ ان تین سو دلیلوں کے ذریعے وہ غیر مسلموں کو عاجز کر دیں گے اور وہ جواب دینے میں ناکام ہو جائیں گے۔ مرزا صاحب اور ان کے دوستوں نے اس کی تشہیر وتبلیغ بڑے جوش وخروش سے کی تھی اور پھر عصری رجحانات کے سبب بھی یہ کتاب مسلمانوں میں بہت مقبول ہوئی۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''اس کتاب کی کامیابی اور اس کی تاثیر کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اس میں دوسرے مذاہب کو چیلنج کیا گیا تھا اور کتاب جوابدہی کے بجائے حملہ آورانہ انداز میں لکھی گئی تھی''۔(۱۰)

مسلمانوں نے عمومی رنگ میں کتاب کے ابتدائی حصّوں کی تعریف کی' کئی لوگ جو مسلمانوں کی تصنیفی کاوشوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کے عادی تھے اس کی تعریف میں بعض خلاف واقعہ باتیں بھی لکھ بیٹھے۔اس کتاب نے مرزا صاحب کو دفعۃً قادیان کے گوشہ گمنامی سے نکال کر شہرت واحترام کے منظر عام پر کھڑا کر دیا اور لوگوں کی نگاہیں ان کی طرف اٹھ گئیں۔خود مرزا صاحب براہین احمدیہ کی تصنیف سے پہلے اپنی حالت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔''یہ وہ زمانہ تھا جس میں مجھے کوئی بھی نہیں جانتا تھا' نہ کوئی موافق تھا نہ مخالف' کیونکہ میں اس زمانہ میں کچھ بھی چیز نہ تھا اور ایک احد من الناس اور زاویہ گمنامی میں پوشیدہ تھا''۔(۱۱)

اس سے آگے مزید لکھتے ہیں: ''اس قصبہ (قادیان) کے تمام لوگ اور دوسرے ہزارہا لوگ جانتے ہیں کہ اس زمانہ میں درحقیقت میں اس مردہ کی طرح تھا جو قبر میں صدہا سال سے مدفون ہو اور کوئی نہ جانتا ہو کہ یہ کس کی قبر ہے''۔(۱۲)

سرمہ چشم آریہ

عوام الناس میں آپ نے اپنے بارے کسی حد تک یہ تاثر قائم کروالیا کہ مرزا صاحب محافظ اسلام ہیں انہوں نے ۱۸۸۶ء میں ہشیار پور میں مرلی دھر آریہ سماجی سے مناظرہ کیا اس مناظرہ کے بارے میں انہوں نے ایک مستقل کتاب بھی لکھی ہے جس کا نام ''سرمہ چشم آریہ'' ہے یہ کتاب مناظرۂ مذاہب وفرق میں ان کی دوسری تصنیف ہے۔

لیکن ان کتب کی اشاعت کے بعد مرزا صاحب کی توجہات کا رخ بدل گیا بقول مولانا ابوالحسن علی ندوی ''ان کو اپنی تحریری ومتکلمانہ ومناظرانہ صلاحیتوں کا علم ہوا اور ان کو اندازہ ہوا کہ ان میں اپنے ماحول کو متاثر کرنے اور ایک نئی تحریک ودعوت کو چلانے کی اچھی استعداد ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ اس انکشاف نے ان کے ذہن میں ایک نئی تبدیلی پیدا کی اب ان کا رُخ عیسائیوں اور آریہ سی جیوں سے مناظرہ کرنے کے بجائے خود مسلمانوں کو دعوتِ مناظرہ ومقابلہ دینے کی طرف ہو گیا''۔(۱۳)

مجددیت سے نبوت تک

براہین احمدیہ میں مرزا صاحب نے جابجا اپنے الہامات کا تذکرہ کیا' ان کی تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ الہام کا سلسلہ نہ منقطع ہوا ہے' نہ اس کو منقطع ہونا چاہئے' کیونکہ یہی الہام دعوے کی صحت اور مذہب وعقیدے کی صداقت کی سب سے زیادہ طاقتور دلیل ہے۔

ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں کہ ''پڑھنے والے کو اس کتاب میں اس کثرت سے الہامات اور خوارق' کشف مکالمات خداوندی' پیش گوئیاں اور طویل وعریض دعوے ملتے ہیں' جن سے اس کی طبیعت بدمزہ و مُنغض ہو جاتی ہے اور کتاب ایک پاکیزہ علمی بحث اور ایک مہذب دینی مباحثے کے بجائے ایک مدعیانہ تصنیف بن جاتی ہے' جس میں مصنف نے اپنی شخصیت کا صاف صاف اشتہار دیا ہے اور جگہ جگہ اس کا ڈھنڈورا پیٹا ہے''۔(۱۴)

یہ بات کسی کے ذہن میں بھی نہ تھی کہ اس کتاب کا مصنف اپنے الہامات کو جنہیں وہ اس وقت خدا کی ہستی کے ثبوت میں پیش کر رہا ہے آئندہ اپنے مجدد' مہدی' مسیح اور نبوت کے دعاوی کے لیے خام مواد کے طور پر استعمال کرے گا اور دین میں ایک مستقل فتنہ کی بنیاد رکھ دے گا۔

۱۸۹۰ء تک مرزا صاحب نے نہ صرف مجدد و مامور ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور مرزا بشیر احمد کے بقول صرف یہ کہتے رہے کہ ''مجھے اِصلاحِ خلق کے لیے مسیح ناصری کے رنگ میں قائم کیا گیا ہے اور مجھے مسیح سے مماثلت ہے''۔(۱۵)

ہم چونکہ یہ لکھ آئے ہیں کہ مرزا صاحب نے اپنی نبوت کے لیے ایک سوچی سمجھی اسکیم اور منصوبے کے تحت پہلے فضا ہموار کی اور تمام تدریجی مراحل کو بڑے صبر وتحمل اور احتیاط سے طے کیا۔ ابتداً الہام' علم باطنی اور علمِ یقینی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کامل کا لازمی نتیجہ اور ایک قدرتی منزل قرار دیتے جو فنافی الرسول کے بعد لازمی طور پر پیش آتی ہے۔لہذا نبوت اور نبی کا لفظ صاف طور پر استعمال کیے بغیر صفات نبوت اور خصائص نبوت پر گفتگو سے نتیجتاً اپنے آپ کو منصب نبوت پر فائز بتاتے رہے۔ وہ ایک مناسب ماحول کے منتظر تھے اور اس بات کا اطمینان کر لینا چاہتے تھے کہ کیا لوگوں کی عقیدت اور ان کا جذبہ اطاعت اس درجہ پر پہنچ گیا ہے کہ وہ اُن کے دوسرے دعاوی کی طرح اس کو بھی قبول کر لیں گے۔ لہٰذا ۱۹۰۰ء میں باقاعدہ منصوبہ اپنے انجام کو پہنچتا ہے۔ مولوی عبدالکریم جو مسجد کے خطیب تھے ان کے ذریعے مرزا صاحب کے لیے نبی اور

رسول کے الفاظ باقاعدہ خطبہ جمعہ میں استعمال کیے گئے اور پھر برملا مرزا صاحب نے اپنی نبوت کا اعلان کرنا شروع کر دیا۔

مرزا بشیر الدین محمود کا بیان ہے ۱۹۰۱ء سے یہ بات طے ہوگئی اور مرزا صاحب اپنی تصنیفات میں اس کو بصراحت لکھنے لگے۔ ان کے رسائل کا وہ مجموعہ جس کا نام ''اربعین'' ہے منصب جدید کے اعلانات اور تصریحات سے بھرا ہوا ہے۔

۱۹۰۲ میں اپنے تحریر کردہ رسالہ ''تحفۃ الندوہ'' میں لکھتے ہیں:

پس جیسا کہ میں نے بیان کر دیا ہے کہ یہ کلام جو میں سناتا ہوں' یہ قطعی اور یقینی طور پر خدا کا کلام ہے جیسا کہ قرآن اور توریت خدا کا کلام ہے اور میں خدا کا ظلّی اور بروزی طور پر نبی ہوں اور ہر ایک مسلمان کو دینی امور میں میری اطاعت واجب ہے اور ہر ایک جس کو میری تبلیغ پہنچ گئی ہے گو وہ مسلمان ہے مگر مجھے اپنا حکم نہیں ٹھہراتا اور نہ مجھے مسیح موعود مانتا ہے اور نہ میری وحی کو خدا کی طرف سے جانتا ہے وہ آسمان پر قابل مواخذہ ہے کیونکہ جس امر کو اس نے اپنے وقت پر قبول کرنا تھا رد کر دیا۔ میں صرف یہ نہیں کہتا کہ میں اگر جھوٹا ہوتا تو ہلاک کیا جاتا بلکہ میں یہ بھی کہتا ہوں کہ موسیٰ اور عیسیٰ اور داؤد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح میں سچا ہوں اور میری تصدیق کے لیے خدا نے دس ہزار سے زیادہ نشان دکھلائے ہیں۔ قرآن نے میری گواہی دی ہے۔ پہلے نبیوں نے میرے آنے کا زمانہ متعین کر دیا ہے کہ جو یہی زمانہ ہے اور قرآن بھی میرے آنے کا زمانہ متعین کرتا ہے کہ جو یہی زمانہ ہے اور میرے لیے آسمان نے بھی گواہی دی ہے اور زمین نے بھی اور کوئی نبی نہیں جو میرے لیے گواہی نہیں دے چکا۔ (۱۶)

چنانچہ ۱۸۸۹ء میں دعویٰ مجددیت ہوا اور ۱۸۹۱ء میں مثیلِ مسیح کا اعلان۔ پھر جس بات کی تردیدہ کرتے چلے آرہے تھے اس کے برخلاف ۱۸۹۱ء میں مسیح موعود ہونے کا انہوں نے اعلان کر دیا۔ اور بالآخر ۱۹۰۰ء میں دعویٰ نبوت کا دیا گیا۔

فیض محمدی سے وحی پانے کو مرزا صاحب ظلّی نبوت سے تعبیر کرتے ہیں ملاحظہ ہو حقیقت الوحی ص ۲۸ اور ''ایک غلطی کا ازالہ'' میں لکھتے ہیں۔ ''وہ اپنی ذات سے نہیں بلکہ اپنے نبی کے سرچشمہ سے لیتا ہے اور نہ اپنے لیے بلکہ اُسی کے جلال کے لیے اسی لیے اس کا نام آسمان پر محمد اور احمد ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ محمد کی نبوت آخر محمد ہی کو ملے گی مگر بروزی طور پر' مگر نہ کسی اور کو''۔ (۱۷)

خالد بشیر احمد کے بقول ''مرزا صاحب نے مسیح موعود بننے کے بعد ۱۹۰۰ء میں دعوی تبوت بھی کیا اور

یوں ماموریت من اللہ سے دعویٰ مجددیت اور پھر دعوی مجددیت سے دعوی نبوت تک کا عرصہ مرزا غلام احمد صاحب کی زندگی کا ایک ارتقائی عرصہ ہے جسے انہوں نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کمال ہمت سے بسر کیا وہ یکے بعد دیگرے دعوے پہ دعوے کرتے چلے گئے اور یوں ٹھہر ٹھہر کر نبوت کی جانب قدم بڑھاتے گئے۔(۱۸)

چنانچہ الہاموں' خوابوں اور کرامات کے قائل ضعیف الاعقاد مسلمانوں نے مرزا صاحب کو جو بتدریج آگے بڑھتے رہے اپنی اسی عقیدت کی وجہ سے جو انہیں آغاز میں ہوگئی تھی مرزا صاحب کو ایسا ہی تسلیم کرتے گئے جس طرح وہ خود کو کہتے رہے' یہاں تک کہ انگریزی حکومت کی سرپرستی میں یہ پودا پھیلتا چلا گیا۔ چنانچہ مرزا صاحب جس مشن اور مقصد کے لیے منتخب کیے گئے تھے آخر اس اعلانِ نبوت کے ذریعے سے اس کی تکمیل کا وقت آ گیا تھا لہذا اپنی تحریروں کے ذریعے سے آپ نے لوگوں کے لیے زہریلے انجکشن تجویز کرنا شروع کیے براہین احمدیہ کے تیسرے اور چوتھے حصہ کے شروع میں ''اسلامی انجمنوں کی خدمت میں التماس ضروری اور مسلمانوں کی نازک حالت اور انگریزی گورنمنٹ'' کے عنوان سے انگریزی حکومت کی کھل کر مدح وتوصیف کرتے ہیں اور انگریز کے مسلمانوں پر احسانات گنواتے ہوئے پرزور اپیل کرتے ہیں کہ تمام اسلامی انجمنیں مل کر ایک میموریل تیار کر کے اور اس پر تمام سربرآوردہ مسلمانوں سے دستخط کرا کر گورنمنٹ میں بھیجیں' اس میں اپنی خاندانی خدماتِ انگریز کا بھی تذکرہ کیا ہے' اس طرح پہلی تصنیف سے ہی انہوں نے انگریزی حکومت کی منقبت وثناء شروع کر دی۔

مسلمانوں کی طرف سے مرزا صاحب کی شدید مخالفت ہوئی' چنانچہ مجبوراً انہوں نے اپنی جماعت ہی کو زیادہ مضبوط کرنے میں مصلحت دیکھی چنانچہ ظلّی اور بروزی کی اصطلاحیں اور استعارے کی باتیں یک قلم موقوف ہوئیں اور حقیقی کامل اور مستقل نبوت کا اعلان کیا گیا۔ پھر ان کی نبوت بغیر ایک نئی شرع کے بھی نہ رہی چنانچہ نئی شرع میں جہاد حرام ہوا' جماعت سے باہر کے مسلمانوں کو اسلام باہر قرار دیا گیا' ان کا اور ان کے معصوم بچوں تک کا جنازہ پڑھنا ناجائز ٹھہرا' ان کے ساتھ نماز پڑھنے اور رشتہ ناطہ کرنے کی مناہی کی گئی وغیرہ وغیرہ۔

منسوخی اور مخالفتِ جہاد

جہاد جیسے منصوص قرآنی حکم کو جس پر امت کا تعامل اور تواتر ہے اور جس کے متعلق صریح حدیث ہے

''الجہاد ماض اِلیٰ یوم القیامۃ'' کے برخلاف اس خودساختہ ظلی و بروزی نبی نے اِسے انگریز کے مذموم مقاصد کی خاطر منسوخ قرار دیا۔

جہاد کی منسوخی و ممانعت کے متعلق مرزا صاحب لکھتے ہیں:

''جہاد یعنی دینی لڑائیوں کی شدت کو خدائے تعالیٰ آہستہ آہستہ کم کرتا گیا ہے' حضرت موسیٰ کے وقت میں اس قدر شدت تھی کہ ایمان لانا بھی قتل سے نہیں بچا سکتا تھا اور شیر خوار بچے بھی قتل کیے جاتے تھے پھر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بچوں' بوڑھوں اور عورتوں کا قتل کرنا حرام کیا گیا' پھر بعض قوموں کے لیے بجائے ایمان کے صرف جزیہ دے کر مواخذہ سے نجات پانا قبول کیا گیا اور پھر مسیح موعود کے وقت قطعاً جہاد کا حکم موقوف کر دیا گیا''۔(۱۹)

ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں: ''اس موضوع پر انہوں نے ایک وسیع کتب خانہ تیار کر دیا' جس میں انہوں نے بار بار اپنی وفاداری اور اخلاص اور اپنی خاندانی خدمات اور انگریزی حکومت کی تائید و حمایت میں اپنی سرگرمی اور انہماک کا ذکر کیا ہے اور ایک ایسے زمانے میں جب مسلمانوں میں دینی حمیت کو بیدار کرنے کی سخت ضرورت تھی بار بار جہاد کے حرام و ممنوع ہونے کا اعلان کیا''۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

''میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریزی کی تائید و حمایت میں گزرا ہے اور میں نے ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں کہ اگر وہ اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں میں نے ایسی کتابوں کو تمام ممالک عرب' مصر' شام' کابل اور روم تک پہنچا دیا ہے۔ میری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان اس سلطنت کے سچے خیر خواہ ہو جائیں اور مہدی' خونی اور مسیح خونی کی بے اصل روائتیں اور جہاد کے جوش دلانے والے مسائل جو احمقوں کے دِلوں کو خراب کرتے ہیں ان کے دِلوں سے معدوم ہو جائیں۔(۲۰)

مرزا صاحب نے اپنی شاعری میں جہاد کی منسوخی کا اعلان کیا لکھتے ہیں:

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال
دیں کے لیے حرام ہے اب جنگ اور قتال

آ گیا مسیح جو دین کا امام ہے
دین کی تمام جنگوں کا اب اختتام ہے

اب آسمان سے نور خدا کا نزول ہے
اب جنگ اور جہاد کا فتویٰ فضول ہے

دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد
منکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد

اپنی کتاب شہادت القرآن کے آخر میں لکھتے ہیں:

''میرا مذہب جس کو میں بار بار ظاہر کرتا ہوں یہی ہے کہ اسلام کے دو حصے ہیں ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت کرے دوسرے اُس سلطنت کی کہ جس نے امن قائم کیا ہو جس نے ظالموں کے ہاتھ سے اپنے سایہ میں پناہ دی ہو۔ سو وہ سلطنت حکومت برطانیہ ہے۔(۲۱)

ایک درخواست جو لیفٹیننٹ گورنر پنجاب کو ۲۴ فروری ۱۸۹۸ء کو پیش کی گئی تھی اس میں لکھتے ہیں۔

''دوسرا امر قابل گذارش یہ ہے کہ میں ابتدائے عمر سے اس وقت تک جو قریباً ساٹھ برس کی عُمر کو پہنچا ہوں اپنی زبانی اور قلم سے اس اہم کام میں مشغول ہوں تا کہ مسلمانوں کے دلوں کو گورنمنٹ انگلشیہ کی سچی محبت اور خیر خواہی اور ہمدردی کی طرف پھیروں اور ان کے بعض کم فہموں کے دِلوں سے غلط خیال جہاد وغیرہ کے دُور کروں جو دِلی صفائی اور مخلصانہ تعلقات سے روکتے ہیں۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ مسلمانوں کے دِلوں پر میری تحریروں کا بہت ہی اثر ہوا اور لاکھوں انسانوں میں تبدیلی پیدا ہو گئی۔(۲۲)

ایک اور جگہ پر لکھتے ہیں: ''مجھ سے سرکار انگریزی کے حق میں جو خدمت ہوئی وہ یہ تھی کہ میں پچاس ہزار کے قریب کتابیں، رسائل اور اشتہارات چھپوا کر اس ملک اور نیز دوسرے بلادِ اسلام میں اس مضمون کے شائع کیے کہ گورنمنٹ انگریزی ہم مسلمانوں کی محسن ہے لہذا ہر ایک مسلمان کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ اس گورنمنٹ کی سچے دِل سے اطاعت کرے اور دِل سے اس دولت کا شکر گزار و دعا گو رہے اور یہ کتابیں میں نے مختلف زبانوں یعنی اُردو، فارسی، عربی میں تالیف کر کے اسلام کے تمام ملکوں میں پھیلا دیں، یہاں تک کہ اسلام کے دو مقدس شہروں مکہ اور مدینے میں بھی بخوبی شائع کر دیں اور روم کے پایہ تخت قسطنطنیہ اور بلادِ شام اور مصر اور کابل اور افغانستان کے متفرق شہروں میں جہاں تک ممکن تھا، اشاعت کر دی گئی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ

لاکھوں انسانوں نے جہاد کے وہ غلیظ خیالات چھوڑ دیئے' جو نافہم ملاؤں کی تعلیم سے ان کے دلوں میں تھے۔ یہ ایک ایسی خدمت مجھ سے ظہور میں آئی ہے کہ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ برٹش انڈیا کے تمام مسلمانوں میں اس کی نظیر کوئی مسلمان دکھلا نہیں سکا۔(۲۳)

ایک اور جگہ بڑے غیر مبہم انداز میں لکھتے ہیں: ''میں یقین رکھتا ہوں کہ جیسے جیسے میرے مرید بڑھیں گے ویسے ویسے مسئلہ جہاد کے معتقد کم ہوتے جائیں گے کیونکہ مجھے مسیح اور مہدی مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار کرنا ہے''۔(۲۴)

تحریف قرآن

مرزا صاحب نے قرآن کریم میں تحریف کر کے اپنے مقاصد کی تکمیل کرنا چاہی جس کی نشاندہی ہونے پر مرزائیوں نے اسے کتابت کی اغلاط قرار دے کر تحریف کے الزام سے مرزا صاحب کا دامن پاک کرنا چاہا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مرزا صاحب نے تین طرح سے تحریف کا ارتکاب کیا۔

۱۔ تحریف لفظی مثلاً آیات قرآن مجید میں الفاظ کی کمی بیشی کی گئی۔

۲۔ تحریف معنوی مثلاً قرآن مجید کا ترجمہ کرنے میں ارادۃً اصل معنوں سے ہٹ کر کوئی دوسرا مفہوم بیان کیا گیا۔

۳۔ تحریف منصبی' سب سے بڑی جسارت یہ کی کہ جو آیات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازل ہوئیں ان کو اپنے اوپر منطبق کر لیا گیا۔

اس طرح بے شمار ''الہامات'' جن کے ذریعے مرزا صاحب نے اپنی ذات اپنے گاؤں اپنے خاندان کی شان بیان کرنے میں قرآنی آیات میں تحریف کی ان کے لٹریچر میں بطور ثبوت موجود ہیں۔☆

☆ مذکورہ بالا تحریف کی تفصیل جاننے کے لیے محمد شفیع جوش میرپوری کی کتاب ''قادیانی امت''۔ علمی کتاب خانہ' لاہور' 1974۔

اس میں انہوں نے قادیانی لٹریچر میں مذکور تحریف کے فوٹو اسٹیٹ صفحات مع حوالہ پیش کیے ہیں۔

حکومت برطانیہ کے لئے بطور قلعہ

مرزا صاحب نے انگریز کی خوشامد اور اعانت کے ساتھ ساتھ اس پر اپنی جانثاری اور خدمات کے احسانات بھی اپنی تحریروں میں گنوائے ہیں تا کہ انگریز کی عنایات کی بارش جاری رہے۔ انہوں نے اپنے

عربی رسالہ ''نورالحق'' میں پوری صفائی اور وضاحت کے ساتھ یہاں تک لکھ دیا کہ ان کا وجود انگریزی حکومت کے لیے ایک قلعہ، حصار اور تعویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ اپنی خدمات گناتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مجھے حق ہے کہ میں دعویٰ کروں کہ میں ان خدمات میں منفرد ہوں اور مجھے حق ہے کہ میں ان تائیدات میں یکتا ہوں اور مجھے حق ہے کہ میں یہ کہوں کہ میں اس حکومت کے لیے تعویز اور ایسا قلعہ ہوں جو اس کو آفات و مصائب سے محفوظ رکھنے والا ہے اور میرے رب نے مجھے بشارت دی اور فرمایا کہ اللہ ان کو عذاب نہیں دیگا جب تک تم ان میں ہو' پس حقیقتہً اس حکومت کے پاس میرا کوئی ہمسر اور نصرت وتائید میں میرا کوئی مثل نہیں۔ اگر خدا نے اس حکومت کو نگاہ اور مردم شناسی عطا کی ہے تو وہ اس کی تصدیق کرے گی''۔(۲۵)

لہذا مرزا صاحب کی خاص ڈیوٹی جو انگریز نے لگائی تھی انہوں نے اس کی طرف اپنی توجہ مرکوز رکھی اور انگریزی حکومت کے لیے نہ صرف ہندوستان میں بلکہ تمام ممالک اسلامیہ میں جن کا بڑا حصّہ برطانیہ کے زیرِ اقتدار آ چکا تھا منسوخی جہاد کے لیے بڑی سرگرمی دکھائی۔

حکومت برطانیہ کی وفاداری اور اُس کا مقصد

مرزا صاحب زبان حال سے پکار پکار کر انگریزی حکومت کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اور اطاعت سلطنت برطانیہ کو نصف الایمان قرار دے رہے ہیں۔

سلطنت برطانیہ سے اپنی وفاداری کا اظہار کرتے ہوئے لیفٹیننٹ گورنر پنجاب کو ۲۴ فروری ۱۸۹۸ء میں لکھے گئے خط میں لکھتے ہیں۔''یہ التماس ہے کہ سرکار دولت مدار ایسے خاندان کی نسبت جس کو پچاس سال کے متواتر تجربے سے ایک وفادار جانثار خاندان ثابت کر چکی اور جس کی نسبت گورنمنٹ عالیہ کے معزز حکام نے ہمیشہ مستحکم رائے سے اپنی چٹھیات میں یہ گواہی دی ہے کہ وہ قدیم سے سرکار انگریزی کے خیر خواہ اور خدمت گزار ہے' اس خود کاشتہ پودے کی نسبت نہایت حزم و احتیاط اور تحقیق و توجہ سے کام لے اور اپنے ماتحت حکام کو اشارہ فرمائے کہ وہ بھی اس خاندان کے ثابت شدہ وفاداری اور اخلاص کا لحاظ رکھ کر مجھے اور میری جماعت کو عنایت اور مہربانی کی نظر سے دیکھیں''۔(۲۶)

کتاب البریہ میں اپنا تعارف یوں کرواتے ہیں: ''میں ایک ایسے خاندان سے ہوں جو اس گورنمنٹ کا پکا خیر خواہ ہے۔ میرا والد مرزا غلام مرتضی گورنمنٹ کی نظر میں ایک وفادار اور خیر خواہ آدمی تھا۔ جن کو دربار

گورنری میں کرسی ملی تھی اور جن کا ذکر مسٹر گریفن صاحب کی تاریخ رئیسان پنجاب میں ہے اور ۱۸۵۷ء میں انہوں نے اپنی طاقت سے بڑھ کر سرکار انگریزی کو امداد دی تھی یعنی پچاس گھوڑے بہم پہنچا کر عین زمانہ غدر کے وقت سرکار انگریزی کی امداد میں دیئے تھے"۔(۲۷)

ملکہ وکٹوریہ کے نام اپنے طویل خط میں لکھتے ہیں۔"میں اس قدر خدمت کر کے جو ۲۲ برس تک کرتا رہا ہوں اس محسن گورنمنٹ پر کوئی احسان نہیں کرتا' کیونکہ مجھے اس بات کا اقرار ہے کہ اس بابرکت گورنمنٹ کے آنے سے ہم نے اور ہمارے بزرگوں نے ایک لوہے کے جلتے ہوئے تنور سے نجات پائی ہے' اس لیے میں معہ اپنے تمام عزیزوں کے دونوں ہاتھ اٹھا کر دُعا کرتا ہوں کہ یاالٰہی اس مبارکہ قیصرہ کو دیر تک ہمارے سروں پر قائم رکھ اور اس کے ہر قدم کے ساتھ اپنی مدد کا سایہ شامل حال فرما اور اس کے اقبال کے دِن بہت لمبے کر"۔(۲۸)

سوال یہ ہے کہ مرزا صاحب کو یا ان کی جماعت کو برطانوی حکومت کی اطاعت اور فرمانبرداری سے کیا حاصل تھا؟ ظاہر ہے حکومت برطانیہ کبھی بھی اپنا اقتدار ہندوستان کی عظیم اکثریتوں کو چھوڑ کر قادیان میں جنم لینے والے ایک چھوٹے سے طبقہ کے سپرد نہیں کرسکتی تھی اور نہ ہی قادیانی جماعت اس پوزیشن میں تھی کہ وہ برطانوی حکومت سے بزور اقتدار حاصل کرسکے' البتہ برطانوی حکومت اس وفادار جماعت کو یہ فائدہ پہنچاسکتی تھی کہ وہ اسے مختلف محاذوں پر سپورٹ کرے اور مالی معاشی اور انتظامی طور پر اس جماعت کی معاونت و سرپرستی کرے اور حکومت نے ایسا کیا بھی۔ انگریزوں کی یہ اعانت ظاہر ہے "بلا معاوضہ" نہ تھی بلکہ وہ قادیانیوں کی سرپرستی واعانت سے ایک چومکھی لڑائی لڑ رہے تھے۔ وہ ایسے کہ ایک طرف تو وہ اپنا حامی ایک ایسا گروہ منظم کررہے تھے جو جمہور مسلمین سے کٹ کر ان کے مفادات کے لیے کام کرسکتا تھا' تو دوسری طرف وہ اس اعانت کے ذریعے مسلمانوں میں تفریق وانتشار کے پودے کو بھی پانی دے رہے تھے۔ تیسری طرف اس ذریعہ سے ہندوستان میں طبقاتی کشمکش اور گروہی منافرتوں کو ہوا دی جارہی تھی جبکہ چوتھی طرف وہ اس سارے ڈرامے سے اپنی بدنام زمانہ پالیسی Divide and Rule (لڑاؤ اور حکومت کرو) پر بھی عمل پیرا تھے۔

پھر مرزا صاحب کی اس وقت تک بے لوث خدمت اور بے غرض وفاداری کی وجہ سوائے اس کے کچھ نظر نہیں آتی کہ برطانوی حکومت انہیں مختلف محاذوں پر تقویت پہنچانے کے ذرائع مہیا کرتی تھی لیکن مرزا صاحب کی خدمات اور وفاداریاں اس سے کہیں بڑھ کر ہیں' پھر وہ اس حِصّہ معاوضہ پر اتنا بڑا کام کیوں سر

انجام دے رہے تھے جبکہ انہیں اس کے لیے ساری مسلم دنیا کا موردِ عتاب ہونا پڑا اور ہر طرف سے آنے والے طعن وتشنیع کا ایک سیلاب برداشت کرنا پڑا۔ یہ سوال جو یہاں پیدا ہوا ہے آج اس تحریر کی قلم بندی کے وقت ہی پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ یہ سوال ایک قادیانی ہی کے ذہن میں آج سے بیالیس برس قبل پیدا ہوا تھا اور اس نے یہ سوال مرزا صاحب کے فرزندار جمند' مرزا بشیر الدین محمود سے جو کہ اُس وقت قادیانی جماعت کا خلیفہ تھا ان الفاظ میں کیا تھا۔

''بعض لوگ سوال کرتے ہیں کہ انگریزوں کی سلطنت کی حفاظت اور ان کی کامیابی کے لیے حضرت مسیح موعود نے کیوں دُعائیں کیں؟ حضور (مرزا بشیر الدین محمود) بھی ان کی کامیابی کے لیے دُعائیں کرتے ہیں اور اپنی جماعت کے لوگوں کو جنگ میں مدد دینے کے لیے بھرتی ہونے کا ارشاد فرماتے ہیں حالانکہ انگریز مسلمان نہیں''۔

اس کے جواب میں مرزا بشیر الدین محمود نے جو جواب دیا اُس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے فرمایا ''اس سوال کا جواب قرآن حکیم میں موجود ہے حضرت موسٰی کو جو نظارے دکھائے گئے ہیں ان میں ایک یہ تھا کہ ایک گری ہوئی دیوار بنادی گئی جس کی وجہ بعد میں بیان کی گئی کہ اس کے نیچے خزانہ تھا جس کے مالک چھوٹے بچے تھے دیوار اس لیے بنادی گئی کہ ان لڑکوں کے بڑا ہونے تک خزانہ کسی اور کے ہاتھ نہ لگے اور اس کے لیے محفوظ رہے۔ دراصل حضرت مسیح موعود (مرزا غلام احمد) کی جماعت کے متعلق پیش گوئی ہے کہ جب تک جماعت احمد یہ نظام حکومت سنبھالنے کے قابل نہیں ہوتی اس وقت تک ضروری ہے کہ اس دیوار (انگریزوں کی حکومت) کو قائم رکھا جائے تا کہ یہ نظام کسی ایسی طاقت کے قبضہ میں نہ چلا جائے جو احمدیت کے مفادات کے لیے زیادہ مضر اور نقصان رساں ہو جب جماعت میں قابلیت پیدا ہو جائے گی اُس وقت نظام اس کے ہاتھ میں آجائے گا۔ یہ وجہ ہے انگریزی حکومت کے لیے دُعا کرنے اور ان کو فتح حاصل کرنے میں مدد دینے کی''۔(۲۹)

ہمیں اس سے بحث نہیں کہ یہ مرزا صاحب اور ان کی جماعت کی خام خیالی تھی بلکہ تاریخی تناظر میں اس مندرجہ بالا موقف کا جائزہ لینے سے یہ نظر آتا ہے۔ کہ قادیانی جماعت نے اپنے اس منصوبے کے عین مطابق کام کیا اور مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت سے تقسیم ملک تک قادیانی جماعت اس دیوار کی حفاظت گری کا فریضہ سرانجام دیتی رہی لیکن تقسیم برصغیر پر جب یہ دیوار گری اور اس کے نیچے مدفون تے خزانے پر غیر احمدی قابض ہو گئے تو قادیانیوں نے اپنی دانست میں اپنی ملکیت حاصل کرنے جدو جہد شروع کر دی جو اختلاف

حکمت عملی آج بھی جاری ہے۔

قادیانی تحریک کے اس جائزہ سے یہ اندازہ بخوبی کیا جاسکتا ہے کہ اس تحریک کا اصل رُخ سیاسی تھا۔ مذہب محض ''آڑ'' تھا جس کے پردے میں بیٹھ کر مرزا صاحب یہ ڈرامہ رچانا چاہتے تھے۔ بعد کے واقعات اس دعوے کی تصدیق کرتے ہیں کہ کس طرح قادیانی جماعت سیاسی گورکھ دھندوں میں ملوث رہی اور مختلف مواقع پر اس نے کس طرح امتِ مسلمہ کے اجتماعی مفادات کے خلاف اِستعماری طاقتوں کی نمائندگی کا فریضہ سرانجام دیا۔

قادیانیت کے خلاف مسلم ردّعمل

''براہین احمدیہ'' چھپ کر سامنے آئی یہ پہلی کتاب تھی جس نے مرزا صاحب کے الہامات کو پیش کیا اور برصغیر کے اعتقادی حلقوں کو ایک ذہنی کشمکش سے دوچار کر دیا چنانچہ مولوی رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکی رحمتہ اللہ علیہ نے (جو ان دنوں سلطان ترکی کے شیخ الاسلام تھے) مولانا غلام دستگیر قصوری کا ایک رسالہ رجم الشیاطین کو دیکھا اور مرزا کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا۔ اس رسالہ پر اس وقت کے علماء حرمین اور عجم نے اپنی مہریں لگائیں یہ فتویٰ ۱۳۱۲ھ میں شائع ہوا تو قادیانیوں میں ایک ہلچل مچ گئی کیونکہ ان کے ہاں یہ پروپیگنڈہ عام تھا کہ صرف ہندوستان کے چند مولوی صاحبان مرزا صاحب کے عقائد کے خلاف ہیں عالم اسلام تو انہیں نبی مانتا ہے۔

لہٰذا ہر مکتب فکر کے علماء نے بقدر ہمت قادیانیت کے خلاف مہم میں حصہ لیا۔ لیکن مولانا ثناء اللہ امرتسری نے بطور خاص مرزا صاحب کا پیچھا اس کے مرنے تک کیا۔ مولانا ثناء اللہ اس کی ایک ایک تحریر کا جواب دیتے انہوں نے ایک ہفتہ وار رسالہ ''مرقع قادیانی'' کے نام سے نکالنا شروع کیا جو مرزائے قادیان کی تعلیمات کے تناقضات کو واضح کرتا اور ان کا مدلل جواب دیتا۔ پھر انہوں نے ۱۹۰۳ء میں رسالہ ''اہلحدیث'' نکالنا شروع کیا جو جولائی ۱۹۲۷ء تک مسلسل نکلتا رہا۔ اس میں ردّ قادیانیت پر بڑے گرانقدر مضامین چھپتے رہے۔ (۳۰)

آپ کے عہد میں قادیانی فتنہ شدت اختیار کر گیا تھا' چنانچہ غیر اہلحدیث اسلامی انجمنیں بھی اپنے اجتماعات میں مولانا ثناء اللہ کو خصوصیت کے ساتھ مدعو کرتی تھیں اور مولانا قادیانیت کے تار و پود بکھیرنے کے لیے بلا تامل ایسے دعوت ناموں پر لبیک کہتے تھے۔

ردّ قادیانیت اور دفاع اسلام کو زیادہ موثر بنانے کے لیے مولانا ثناء اللہ نے انجمن سازی کی مہم بھی

چلائی اور ان سے بڑا کام لیا۔ ایسی انجمنیں ''انجمن اشاعت اسلام'' یا ''انجمن اسلامی'' کے نام سے موسوم ہوتی تھیں چھوٹے بڑے تمام شہروں میں انجمنیں تشکیل دی گئیں اس سلسلہ میں بٹالہ اور قادیان کی اسلامی انجمنوں کو اپنی جائے وقوع اور کارکردگی کے لحاظ سے اہمیت حاصل ہے۔

انفرادی طور پر بہت سے افراد جو تذبذب کا شکار ہوئے ایسے افراد بکثرت مولانا سے تبادلہ خیال اور گفتگو کے لیے حاضر ہوتے اور معاملات کی حقیقت جان کر ایمان اور اسلام پر ڈٹ جاتے' بعض اوقات قادیانی حضرات بھی تبادلہء خیال کرتے اور تائب ہو جاتے۔(۳۱)

مولانا مناظرے کی خاطر جان پر کھیل کر قادیان بھی گئے' لیکن مرزا مقابلہ پر نہ آیا ان کے مناظروں کی یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ انہیں مرزا کے الہامات زبانی از بر تھے اس وجہ سے قادیانیوں پر ان کا حملہ جارحانہ ہوتا تھا۔ قادیانیوں پر آپ کا اتنا رعب تھا کہ آپ کا نام سن کر گھبرا جاتے تھے' اس لیے آپ کو فاتح قادیان اور شیر پنجاب اور امام اسلام کے لقب دیئے گئے۔ لدھیانہ کے مقام پر سردار بچن سنگھ نے باقاعدہ سٹوفکیٹ دیئے اور آپ کو فاتح قرار دیا۔ اس ساری کشمکش میں ایک دلچسپ مرحلہ مرزا صاحب کی وفات کا ہے۔

مرزا کی وفات اس کے دعووں کی روشنی میں

مرزا صاحب نے ۵ اپریل ۱۹۰۷ء کو ایک اشتہار جاری کیا جس میں مولانا کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر فرمایا: ''اگر میں ایسا ہی کذاب و مفتری ہوں' جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں' تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذاب کی بہت عمر نہیں ہوتی اور آخر وہ ذلت و حسرت کے ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام ہلاک ہو جاتا ہے اور اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہوتا ہے تاکہ خدا کے بندوں کو تباہ نہ کرے۔ اور اگر میں کذاب و مفتری نہیں ہوں اور خدا کے مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف ہوں اور مسیح موعود ہوں' تو میں خدا کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ سنت اللہ کے موافق آپ مکذبین کی سزا سے نہیں بچیں گے' پس اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ خدا کے ہاتھوں سے ہے یعنی طاعون' ہیضہ وغیرہ مہلک بیماریاں آپ پر میری زندگی میں وارد نہ ہوئیں تو میں خدا کی طرف سے نہیں''۔(۳۲)

اس اشتہار کے ایک سال بعد ۲۵ مئی ۱۹۰۸ کو مرزا صاحب لاہور میں بعد عشاء ہیضہ کی بیماری میں مبتلا

ہوئے اور ۲۶ مئی کو دِن چڑھے انتقال کر گئے۔ جبکہ مولانا ثناءاللہ امرتسری نے مرزا صاحب کی وفات کے پورے چالیس برس بعد ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء میں اسّی برس کی عُمر میں وفات پائی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

مولانا کی ساری عُمر آریہ سماجیوں، قادیانیوں اور عیسائیوں کے خلاف نبرد آزما ہونے میں بسر ہوئی جس میں بے شمار جلسے مباحثے اور مناظرے ہوئے جن کا ریکارڈ نہ رکھا جاسکا تاہم آپ کے سوانح نگاروں نے کچھ تفصیلات پر روشنی ڈالی ہے۔☆

☆ادارہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب میں ایم اے کے امتحان میں مقالہ بعنوان ''مولانا ثناءاللہ امرتسری اور ردّ قادیانیت'' میں مقالہ نگار نے کم وبیش ساٹھ سے زائد جلسوں، مباحثوں اور مناظروں کی تفصیلات فراہم کی ہیں جو صرف قادیانیت کے ردّ میں ہوئے تھے لائقِ مطالعہ ہیں۔ مولانا کی تصنیف کردہ کتب میں سے ردِّ قادیانیت پر لکھی گئی کل کتابوں کی تعداد ۳۶ ہے۔

حواشی

۱۔ ندوی، ابوالحسن ندوی، قادیانیت مطالعہ و جائزہ، مجلس نشریات اسلام ناظم آباد کراچی، ۱۹۸۱ء مقدمہ

۲۔ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر، ہمارے ہندوستانی مسلمان، مترجم ڈاکٹر صادق حسین، ص ۳۸

Extract from the Printed Report, India Office Library, London,

بحوالہ ابو مدثرہ، "قادیان سے اسرائیل تک"، ملتان، ۱۹۸۹، ص ۲۴

۳۔ بشارت احمد، ڈاکٹر، "مجدد اعظم"، لاہور، ۱۹۳۹، ص ۴۲

۴۔ محمود احمد، مرزا، "سیرتِ مسیح موعود"، ربوہ، س۔ن، ص ۱۵

۵۔ ''الفضل''، قادیان، ۲۴ اپریل ۱۹۳۴

۶۔ "قادیانیت، مطالعہ و جائزہ"، ص ۴۶

۷۔ معراج الدین عُمر، قادیانی، مرزا غلام احمد کے مختصر حالات، مفید عام پریس سیالکوٹ، ۱۹۰۰ء، ص ۸۲

۸۔ غلام احمد، مرزا، "براہین احمدیہ"، انوار احمدیہ پریس قادیان، ۱۹۰۲، ج ا، ص ۱۷ تا ۲۲۔

۹۔ ایضاً، ج ۵، ص ۷

۱۰۔ بشیر الدین محمود، "سیرۃ المہدی"، انجمن اشاعت اسلام احمدیہ بلڈنگس لاہور، ۱۹۳۵، ج ا، ص ۱۱۲

۱۱۔ ابوالحسن علی ندوی، "قادیانیت مطالعہ و جائزہ"، ص ۵۸

۱۲۔ غلام احمد، مرزا، "تتمہ حقیقت الوحی"، بک ڈپو تالیف و اشاعت قادیان ۱۹۲۳، ص ص ۲۷، ۲۸

۱۳۔ حوالہ بالا

۱۴۔ "قادیانیت"، ص ۶۱

۱۵۔ایضاً' ص ۵۳
۱۶۔"سیرۃ المہدی"' حصہ اوّل ملاحظہ فرمائیں۔
۱۷۔غلام احمد' مرزا' "ایک غلطی کا ازالہ"' ناظر تالیف وتصنیف' ربوہ' ۱۹۰۱' ص ۱۶
چشمہ معرفت' انوار احمدیہ پریس' قادیان' ۱۹۰۸' ص ۳۲۴
۱۸۔"تحفۃ الندوۃ"' ضیاء الاسلام پریس' گورداسپور قادیان' س۔ن' ص ۴
۱۹۔خالد بشیر احمد' "تاریخ محاسبہ قادیانیت"' کاروانِ ادب ملتان' ۱۹۸۷' ص ۷۸
۲۰۔غلام احمد' مرزا' اربعین نمبر ۴ حاشیہ نمبر ۱۵۔
۲۱۔ایضاً' "تریاق القلوب"' ضیاء الاسلام پریس' ربوہ' ۱۹۷۹' ص ۱۵' بحوالہ قادیانیت' ص ۱۱۷
۲۲۔ایضاً' "دُرِّ ثمین"' ص ۵۳' ضمیمہ تحفہ گولڑویہ ضیاء الاسلام پریس' قادیان' ۱۹۰۲' ص ۳۹
۲۳۔اشتہار' ''گورنمنٹ کی توجہ کے لائق'' غلام احمد مرزا' شہادۃ القرآن' مطبع شیرِ ہند امرتسر' س۔ن' ص ۳
۲۴۔ایضاً' تبلیغ رسالت قادیان' ۱۹۱۸' ج ۷' ص ۱۰
۲۵۔ایضاً' "ستارۂ قیصرہ"' ضیاء الاسلام پریس' قادیان' ۱۸۹۹' ص ۳
۲۶۔تبلیغ رسالت' ج ۷' ص ۱۷
۲۷۔غلام احمد' مرزا' "انوار الحق"' المصطفٰے پریس لاہور ۱۳۱۱ھ' ج ۱' ص ۳۴
۲۸۔تبلیغ رسالت' ج ۷' ص ۱۹
۲۹۔ایضاً' "کتاب البریہ"' ضیاء الاسلام پریس' قادیان' ۱۹۳۲' ص ۳
۳۰۔"ستارہ قیصرہ"' امرتسر' ۱۹۲۵' ص ص ۳'۴
۳۱۔''الفضل'' گورداسپور قادیان' ۳ جنوری ۱۹۴۵
۳۲۔صفی الرحمان الاعظمی' "فتنہ قادیانیت اور ثناء اللہ امرتسری"' بنارس' س۔ن' ص ۱۰۳
۳۳۔عبدالمجید خادم سوہدروی' "سیرتِ ثنائی"' مکتبہ قدوسیہ لاہور' س۔ن' ص ۲۴۷ تا ۲۸۱
۳۴۔تبلیغ رسالت' قادیان' ۱۹۱۸ء' ج ۱۰' ص ۱۲۰
۳۵۔فرح حمیرا' "مولانا ثناء اللہ امرتسری اور ردِّ قادیانیت"' (غیر مطبوعہ مقالہ برائے امتحان ایم اے) ادارہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب' ۱۹۹۳ء' ص ۴۸